ذاریات میں تین، الفجر، النحل اور الطارق میں دو دو ظاہر قسمیں ہیں باقی بتیس سورتوں میں ایک ایک مرتبہ یہ قسم آئی ہے، مکی سورتوں میں قسموں کی تعداد چونتیس ہے جبکہ مدنی سورتوں میں سے صرف النساء اور التغابن میں قسمیں آئی ہیں، نیز مظاہر کائنات کی زیادہ تر قسمیں ابتدائی عہد نبوت میں نازل شدہ سورتوں میں ہیں اور یہ بھی کہ سورتوں کے درمیان میں قسموں کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔

بہر حال اقسام القرآن کے مؤلف نے کم و بیش ۵۰ تفسیری کتب کے علاوہ بیسیوں آئمہ فنون وعلوم کے اقوال اور آئمہ فقہاء و محدثین کی تصریحات و توضیحات سے اپنی کتاب کو حسین سے حسین تر بنایا ہے موصوف جامعہ اسلامیہ اشاعت الاسلام عارف والا کے مدیر ہیں، مشغلہ چونکہ تدریس ہے اس لیے انداز تحریر بھی مدرسانہ اور سادہ و سلیس ہے مگر تحقیق واقعی انیق ہے، عمدہ کاغذ پر طباعت ہوئی ہے ٹائٹل انتہائی جاذب نظر ہے، اہل علم اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

التفسیر، اہل علم کی نظر میں

استاذ العلماء مولانا جمیل احمد نعیمی

عزیز جلیل ڈاکٹر حافظ محمد شکیل حفظہ اللہ الوکیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون و دعائے مقرون، معلوم ہو کہ آپ کا موقر و وقیع علمی و تحقیقی مجلہ ”سہ ماہی التفسیر“ باقاعدگی سے احقر کو موصول ہوتا رہتا ہے۔ مختلف اہل علم کے علمی، تحقیقی اور تخلیقی مضامین پڑھ کر آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب لبیب ﷺ کے صدقے نظر بد سے محفوظ رکھے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری و ساری رہے۔ (آمین) پرچوں کا جاری کرنا بھی ایک امر دشوار ہے، لیکن جاری کرنے کے بعد اس سلسلے کو قائم و دائم رکھنا بھی ایک جہاد سے کم نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ کے شمارے (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء) میں یہ پڑھ کر بے حد رنج و افسوس ہوا کہ مخدوم و محترم مولانا حافظ محمود الحسن علیہ الرحمۃ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولائے کریم اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کو اور ان کی صاحبزادی کو صبر جمیل اور اجر جزیل مرحمت فرمائے۔ (آمین ثم آمین) آپ نے اور محترم محمد اعظم سعیدی نے جس اچھے اور پر مغز انداز میں انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے وہ بھی قابل صد تعریف ہے۔

سال ۲۰۰۷ء ہمارے لئے کسی طرح عام الحزن سے کم نہیں رہا۔ اس سال قبلہ حافظ صاحب مرحوم و مغفور ہی نہیں اور بھی کئی ارباب علم و فضل اور اصحاب زہد و تقویٰ ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ ان میں چند نمایاں نام حسب ذیل شخصیات کے بھی آتے ہیں:

۱. صدر العلماء شیخ الحدیث علامہ تحسین رضا خاں (خلیفہ رشید مولانا حسن رضا)
۲. محقق دوراں اور کتب کثیرہ کے مصنف علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری اشرفی علیہ الرحمۃ
۳. خطیب شیریں بیاں، سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی علیہ الرحمۃ

۴۔ مولانا مفتی غلام یٰسین امجدی علیہ الرحمۃ

مخدوم و محترم حافظ محمود الحسن علیہ الرحمۃ سے احقر کے دیرینہ مراسم تھے۔ ۱۹۶۹ء، انجمن طلبائے اسلام کے سلسلے میں جب احقر نے اپنے چند احباب کے ساتھ سندھ اور پنجاب کا دورہ کیا تو اس دورے میں جیکب آباد میں دیگر علماء و مشائخ کے علاوہ قبلہ حافظ صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ جن میں مفتی سید شجاعت علی قادری، مفتی منیب الرحمٰن، مولانا اقبال حسین نعیمی اور یہ فقیر ہوتا تھا۔ حافظ صاحب کو عسر و یسر فرح و ترح میں ہمیشہ شاداں و فرحاں پایا۔ کلمات حمد و شکر موصوف کی زبان پر ہمیشہ جاری رہتے تھے۔ قبلہ حافظ صاحب واقعی باغ و بہار شخصیت تھے۔ خود بھی ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے رہتے تھے۔

وقت کی قلت کے پیش نظر انہی الفاظ پر یہ فقیر اپنے خط کو ختم کرتے ہوئے حافظ صاحب کو ان الفاظ کے ساتھ محبت و خلوص کا خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ موقع ملا تو پھر کسی وقت اپنی تیس پینتیس سالہ رفاقت کو قلمبند کرے گا۔

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے   ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

جمیل احمد نعیمی

استاذ الحدیث و ناظم تعلیمات

دار العلوم نعیمیہ، بلاک ۱۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی

محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

مدیر اعلیٰ ''سہ ماہی التفسیر۔ کراچی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

آپ کے مجلہ کے تازہ شمارے (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء) میں آپ کا مضمون ''محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح'' سامنے کھلا ہے اور میں ہوں۔ قرآن حکیم ہی کی روشنی میں آپ نے جو نکات اٹھائے ہیں اور جن نئی جہتوں کو عمدگی اور خوبصورتی سے متعارف کرایا ہے، پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم پر آپ کی نظر بہت گہری اور مطالعہ کافی عمیق و وسیع ہے۔ بلاشبہ آپ نے پوری جامعیت کے ساتھ ایک پر مغز مقالہ تحریر فرمایا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ تبصرے کے طور پر قلم برداشتہ چند سطور

پیش خدمت ہیں۔ مناسب معلوم ہو تو اپنے مجلے کے صفحات پر جگہ دے کر اپنے قارئین کے مطالعہ کے لئے انہیں پیش فرما دیں۔

آج دنیا بھر میں حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں یا شہر کے دائرے میں سمٹتی چلی جا رہی ہے۔ لہٰذا سوچ و فکر کے زاویے اور انداز بھی اس انقلابی تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس تبدیلی نے مختلف ادیان و مذاہب کے پیروکاروں اور مختلف النوع تہذیبوں سے گہری وابستگی اور ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے افراد کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے اقصائے عالم کی سب دوریاں اور نوع بشر کے مابین حائل سبھی فاصلے تقریباً مٹا ڈالے ہیں۔ اور رہی سہی کسر بھی آئندہ ایک دو عشروں میں نکل جانے کے امکانات قوی تر ہو چلے ہیں۔ ان حالات میں نوع بشر کے درمیان کشیدگی بڑھ جانے اور تفرقوں کو بے وجہ فروغ دینے کے مضر اثرات اور بے قابو خطرات سے ہر ذی فہم و شعور پوری طرح سے آگاہ ہے۔ یہی وجوہات ہیں کہ پیش بین و دور اندیش اہل دانش کی طرف سے آج مختلف ادیان و مذاہب اور مختلف تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کی راہیں ہموار کرنے پر خصوصی اور بڑی شدت سے زور دیا جا رہا ہے۔ شاید ہی کوئی سمجھدار شخص اس چیز کی اہمیت و افادیت کا منکر ہوگا۔

ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ مناکحت آج کے ہر انسانی معاشرے کا وہ طاقتور ترین عنصر ہے جو خاندانی میکانزم کی تشکیل کرتا ہے۔ اس انسانی رشتے کو اگر راست بنیادوں پر استوار کیا جا سکے تو یہ قبیلوں، گروہوں یا خاندانوں کے درمیان ایک دوسرے پر اعتماد، تعاون اور امداد باہمی کیلئے ایسی مستحکم بنیادیں مہیا کرنے کی پوری استعداد و صلاحیت رکھتا ہے جو وقتاً فوقتاً ابھر آنے والی ناگواریت کی لہروں سے بھی متزلزل نہیں ہوتیں۔ آنے والے دنوں میں مختلف ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان اس نوع کے تعلق اور مناکحت کے بڑھتے ہوئے رجحان کو کسی بھی صورت رد نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم اہل دانش اور اصحاب بصیرت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وقت کی ان کروٹوں پر گہری نگاہ رکھتے ہوئے ممکنہ طور پر کل پیش آنے والے معاملات و مسائل پر گہرے غور و خوض کے ساتھ آج ہی مناسب تیاری کر رکھیں۔ بقول اقبال۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے   زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

یہ ایک حقیقت ہے کہ افراد انسانی پر ان کے خاندان یا قبیلے کا طاقتور میکانزم اپنے گہرے اور

دیرپا اثرات رکھتا ہے۔ چنانچہ راست سمت کے تعین میں مدد دینے کی خاطر اس میکانزم میں ایک بے داغ اور موثر کردار جملہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں پر لازم ہے۔ اس اعلیٰ وارفع مقصد کے حصول کی خاطر، سچائی، دیانت، انسانی شرافت اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بدولت اس میکانزم کے اندر ہر کوئی اپنا مقام خود بنا سکتا ہے۔ بالخصوص ایک مسلمان عورت اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور پاس کرتے ہوئے خواہ وہ کہیں پر بھی ہو، اپنا مقام آپ بنا سکتی ہے اور حقیقی اسلامی قدروں کے فروغ اور رسوخ کے لیے موثر کردار ادا کرسکتی ہے۔

ہمیں اس چیز کا بھی پورا پورا احساس ہے کہ دیگر ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کے خاص اندرونی معاملات میں جائز و ناجائز یا مناسب و نامناسب کا تعین کرنے کے مجاز ہم نہیں ہیں۔ ان کے قانون حیات کی تشکیل کرنا یا اس کی نوک پلک سنوارنا ہمارا مقام و منصب ہے نہ ہی ہمیں اس امر میں سے کسی طرح کی کوئی دلچسپی ہے۔ وقت کے تقاضوں کا بروقت ادراک اور بجا طور پر احساس کرتے ہوئے آپ نے اپنے اس مطالعے کے دوران بس اس امر کا جائزہ لیا ہے کہ اگر آئندہ ایام میں دوسرے ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کی طرف سے بھی اس نوع کی مناکحت کی کوئی تحریک ہوتی ہے تو ایک مسلم خاتون کیلئے اس امر کی کس حد تک گنجائش نکلتی ہے؟ اس ضمن میں آپ کی رائے خاصے وزنی دلائل سے آراستہ ہے۔

قرآن حکیم نے اہل کتاب کی باکردار اور عفیف عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح کو بصراحت جائز قرار دیا ہے۔ البتہ ان کے مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح سے بظاہر سکوت اختیار کیا ہے۔ اس حکیمانہ سکوت کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ ان کی باکردار عورتوں سے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ چونکہ مسلمانوں کو کرنا تھا۔ چنانچہ مثبت طور پر یہ فیصلہ ہوا اور اس امر کا بصراحت تمام جواز طے کر دیا گیا۔ اب اصولی طور پر یہ طے کرنا اہل کتاب کا کام ہے کہ کسی مسلمان عورت سے نکاح ان کی معاشرت اور شریعت کے مزاج کی رو سے درست ہوگا یا نادرست؟ اب اگر وہ بھی مسلمان عورتوں سے مناکحت کے عمل کو جائز اور روا ہی قرار دیتے ہیں تو یقینی طور پر مسلم اہل دانش کے سامنے ایک اہم سوال اٹھ کھڑا ہوگا۔ جس کا جواب بہرصورت ان کو مناسب انداز سے دینا ہوگا۔

اس معاملے کی حساسیت اور اہمیت کو جان لینے کے بعد اسی سوال کے جواب کی تیاری کے سلسلے میں ہمارے اہل دانش کو آپ کے اس مضمون سے مناسب مواد ہاتھ آئے گا اور اہم نکات بھی ان کی

نگاہ میں آسکیں گے۔

کتابی ہو یا کتابیہ کوئی، دونوں کا عقیدہ و عمل تو ایک سا ہے۔ ان میں باہم کسی طرح کا کوئی تفاوت نہیں ہے۔ پھر کتابیہ کو قرآن حکیم نے زمرۂ محصنات میں شمار کیا ہے تو آخر کس برتے پر کسی کتابی کو، جبکہ وہ اپنی عملی زندگی میں بے راہ روی سے مجتنب بھی رہا ہو، اس زمرے سے خارج کیا جائے؟

بعض مذہبی حلقے اس نکتہ نظر کے خلاف رائے بھی رکھتے جو آپ نے مربوط دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہم ابھی تک روایتی طرز حیات کے جنجال سے خود کو پوری طرح سے آزاد نہیں کر پائے ہیں۔ ایسے میں ہم نہایت نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ از کار رفتہ اور فرسودہ روایات اور بے مقصد رسومات کو بھی سینے سے لگائے رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنے اس طرز عمل کو ہم دین متین کی عین خدمت سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ طرح تو خواہ کوئی اور کیسی ہی ہو، معروضی حوالے سے اسے دیکھے بغیر رد کر دینا اپنے دین و ایمان کی حفاظت اور سلامتی کے لئے ناگزیر جاتے ہیں۔ ہم یہ بات اکثر بھول جاتے ہیں کہ اسلام ہمیں بیدار مغزی کے ساتھ حقیقت تک رسائی کی تعلیم دیتا ہے نہ کہ بے مقصد روایات کے تتبع اور ان کی پیروی کی۔ بقول اقبال۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا   منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

دلچسپ امر یہ ہے کہ مرکزی دلیل ان مذہبی حلقوں کی بھی وہی ہے جو کہ آپ کے مقالے کا محوری نکتہ ہے۔ مگر سوچ و فکر، طرز استدلال اور اخذ و استنباط کا انداز ہر ایک کا اپنا اپنا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ دونوں میں ۱۸۰ ڈگری کا فرق ہے۔ نتیجہ یہ کہ دونوں کا "نتیجۂ فکر" بھی بالکل ایک دوسرے کی ضد ہے۔

اب یہ کہنا کہ کتابیہ کو زمرۂ محصنات میں قرآن حکیم نے شمار کیا ہے۔ مگر کتابی کو نہیں۔ اس بات کی کوئی معنویت نہیں ہے۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ کتابیہ اس حوالے سے قرآن حکیم میں معرض بیان میں آئی ہے۔ سو وہ محصنہ قرار دے دی گئی۔ اگر کوئی کتابی بھی یونہی معرض بیان میں آتا تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اسے بھی زمرۂ محصنین میں نہ رکھا جاتا۔ "احصان" کی علت بے راہ روی اور بدکرداری سے مجتنب رہنا ہے۔ اس کا تعلق عقیدہ و ایمان و عمل سے اتنا نہیں ہے جتنا کہ انسانی شرافت، متانت اور بلند کرداری سے ہے۔ لہذا یہی علت اگر کتابی میں بھی پائی جاتی ہے تو وہ غیر محصن کیسے ہو جائے گا؟ پھر اگر وہ غیر محصن قرار نہیں دیا جاسکے گا تو کسی سماجی یا معاشرتی ضرورت کے تحت، اس اشتراک علت کے باوصف، جواز نکاح کے قرآنی حکم کو اس تک متعدی ہونے سے آخر کس بنیاد پر روکا جاسکے گا؟

سر دست اتنا ہی۔ موقع ملا تو اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کروں گا۔

والسلام

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی

آصف اقبال

محترم ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ بندہ آپ کے موقر جریدے کا قاری ہے لیکن قلم اٹھانے کا سبب سہ ماہی التفسیر کے شمارہ نمبر ۱۱ کا ایک مضمون ''مطالعہ قرآن میں مکی اور مدنی آیات کے علم کی اہمیت'' از ڈاکٹر ریحانہ فردوس صاحبہ اور شمارہ نمبر ۱۲ میں آپ کا اپنا مضمون بعنوان ''مشتبہین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح'' ہے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر صاحبہ کے مضمون کے بارے میں چند گزارشات عرض ہیں:

ڈاکٹر صاحبہ فرماتی ہیں کہ

''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علوم قرآنیہ میں سب سے اہم مکی اور مدنی آیات کا علم ہے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے روایات کی بحث وتمحیص، نصوص آیات کی تحقیق اور تمام امور کا تاریخ سے تعلق پیدا کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔''

ڈاکٹر صاحبہ کی مندرجہ بالا تحریر پر بحث کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علوم قرآنیہ کے سلسلے میں روایات کی اہمیت وحیثیت پر روشنی ڈالی جائے تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کے تصور حدیث کے بارے میں شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

''حدیث کے متعلق پہلا خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ایسی ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔''

(سیرت نعمان، ص:۱۰۹)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی فرماتے ہیں کہ

''قرآن قطعی ویقینی چیز ہے اور اخبار وروایات اگر صحیح بھی ہوں تو ظنی ہیں۔ قطعی چیز کو جب ظنی چیز کا پابند کر دیا جائے گا اور قطعی کے ساتھ ظنی کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ظنی ہو جائے گا، پھر پورا قرآن ظنی ہو گیا حجت قطعی نہ رہا''۔ (مجموعہ تفاسیر لکھنوی ص:۴۳)

نیز فرماتے ہیں کہ:

''احادیث چاہے کیسی ہی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان کے انکار سے کفر نہیں ہوتا۔''

(مجموعہ تفاسیر لکھنوی ص:۳۰)

مزید فرماتے ہیں کہ:

''...... مگر جس قدر شریعت کی چیزیں آپ سے منقول ہیں ان میں سب سے قطعی اور یقینی چیز قرآن شریف ہے ...... اور وہی ایک حجت قطعی ہے جو خدا کی طرف سے خدا کے بندوں پر قائم ہے۔''

(مجموعہ تفاسیر لکھنوی ص:۳۰)

مولانا محمد علی کاندھلوی فرماتے ہیں کہ

''کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دین میں جو چیز قرآن کے بعد حجت کی حیثیت رکھتی ہے وہ سنت ہے حدیث نہیں ہے، حدیث تو تاریخ سنت کا نام ہے''۔

(امام اعظم اور علم حدیث، ص:۹۳)

حتیٰ کہ امام ابن تیمیہؒ نے یہاں تک فرمایا کہ

''اگر بخاری ومسلم پیدا نہ ہوتے تو دین میں کچھ کمی نہ ہوتی۔'' (امام اعظم اور علم حدیث، ص:۹۳)

امام ابن تیمیہؒ، مولانا شبلی، مولانا لکھنوی اور مولانا محمد علی کاندھلوی کے مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں مکی اور مدنی آیات کے علوم میں روایات کا شمول اس پورے علم کو ظنی بنا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ نے ابو القاسم نیشاپوری کا قول بھی نقل کیا ہے کہ

''علوم قرآنی میں سب سے اشرف علم اسکے نزول اور جہات کا علم ہے''

(ص: ۳۶)

آگے چل کر لکھتی ہیں:

خرابیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب اس ترتیب میں نزول سے متعلق صحیح روایات کا بالکل خیال نہ رکھا جائے .... حیرت کی بات یہ ہے کہ مستشرقین ان تنزیلی روایات کا بالکل اعتبار نہیں کرتے۔''

(ص: ۳۷،۳۶)

عرض یہ ہے کہ اس سلسلے میں اخبار احاد پر تو اعتبار کیا نہیں جا سکتا۔ ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں کہ:

''متنازع فیہ بات یہ ہے کہ آیا صحیح خبر واحد سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے یا یقینی؟''

علوم الحدیث (مترجم غلام احمد حریری) ص: ۱۹۵

یعنی اخبار احاد سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے یا یقینی علم یہ ایک متنازع فیہ بات ہے۔

مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ

''اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ ان سے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے'' (سیرت نعمان، ص: ۱۳۶)

باقی رہا معاملہ خبر متواتر کا تو امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ

''یہ امر یہاں ملحوظ خاطر رہے کہ خبر تواتر کا اسم تو موجود ہے، لیکن ہمارے علم کی حد تک اسکا کوئی صحیح مسمی موجود نہیں ہے'' (مبادی تدبر حدیث ص: ۲۰)

محدث ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ

''متواتر لفظی نادر الوجود بلکہ معدوم ہے۔ اسکی مثال طلب و تلاش پر بھی نہیں مل سکتی''۔

علوم الحدیث (مترجم غلام احمد حریری) ص: ۱۹۱

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ

''ظاہر ہے کہ احادیث متواترہ کا مطلق وجود نہیں، یا ایک دو سے زیادہ نہیں'' (مقالات سلیمانی ص: ۱۹۳)

اب جہاں تک ڈاکٹر صاحبہ کا یہ فرمانا ہے کہ

''خرابیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب اس ترتیب میں نزول سے متعلق صحیح روایات کا بالکل خیال نہ رکھا جائے .... حیرت کی بات یہ ہے کہ مستشرقین ان تنزیلی روایات کا بالکل اعتبار نہیں کرتے۔''

اس سلسلے میں ہم امام احمد بن حنبل کا قول بھی نقل کرتے ہیں

ابن حجر عسقلانی ''لسان المیزان'' میں لکھتے ہیں کہ

''امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں تین قسم کی کتابیں ایسی ہیں جن کا کوئی اصول نہیں: مغازی، تفسیر اور ملاحم''۔

(بحوالہ شب برات ایک تحقیقی جائزہ ص: ۱۹۰ از حبیب الرحمان کاندھلوی)

ڈاکٹر صاحبہ مستشرقین کے بارے میں لکھتی ہیں

''اور ان لوگوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے۔''

(ص: ۴۸)

قرآن کریم کا فرمان ہے

﴿... وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲/۲۲۱)

(... اور اپنے حکم لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔)

مزید یہ کہ مندرجہ ذیل آیات کی موجودگی میں مستشرقین کا نظریہ یقیناً درست ہے۔

-16/54,16/89,26/2,6/105,18/54,14/52,10/37,11/1

سو جو قول فیصل اور فرقان ہونے کا دعویٰ کرے اس کا انحصار کسی بھی حیثیت میں کسی خارجی چیز پر نہیں ہو سکتا خواہ آپ اس چیز کو کوئی سا بھی نام دے دیں!

ڈاکٹر صاحبہ مزید فرماتی ہیں

''یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالباً فلاں آیت اس موقع پر نازل ہوئی اور اسکا موضوع یہ اور یہ تھا۔ اور اس سے فلاں اور فلاں کی طرف خطاب

ہے۔اس طرح کے یقین سے علم میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے اور اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا" (ص:۴۸)

اب جس علم سے ہم "غالباً" کسی نتیجہ پر پہنچیں، اس کے بارے میں کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔ایک نتیجے کا اعلان تو آپ نے خود ہی فرمادیا کہ "سورۃ رعد کے بارے میں اختلاف ہے کہ مکی ہے یا مدنی"۔(ص:۴۹)۔اب اگر سورۃ رعد کو متنازع بنا کر بھی "اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا" تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔اس کے مزید نقصانات کا ذکر مولانا تمنا عمادی نے "جمع القرآن" میں فرمایا ہے۔اپنی گفتگو کے اختتام پر ہم دو حوالے مزید پیش کرتے ہیں۔

مولانا فراہی فرماتے ہیں

"لہٰذا اگر تم کو شان نزول معلوم کرنی ہو تو اس کو خود سورۃ سے معلوم کرو، کیونکہ کلام کا اپنے موقع و محل کے مناسب ہونا ضروری ہے۔جس طرح ایک ماہر طبیب دوا کے نسخے سے اس شخص کی بیماری معلوم کرسکتا ہے جس کے لیے نسخہ لکھا گیا ہے اسی طرح تم ہر سورۃ سے اس سورۃ کی شان نزول معلوم کرسکتے ہو۔"

(مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:۴۵)

"یہ بڑی غلطی ہوگی کہ کتاب کو ہمیشہ ان انسانی احوال کے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے جن میں وہ پہلی بار نازل ہوئی تھی، یا یہ کہ کتاب کو ان لوگوں کے ذہن سے سمجھنے کی کوشش کی جائے جو اس کے اولین مخاطب تھے۔یہ طریقہ تو نبی ﷺ کی سنت کے فہم کے لیے اختیار کرنا چاہیے"۔

(ڈاکٹر عرفان احمد خان کا مضمون شائع کردہ ششماہی علوم القرآن خصوصی اشاعت

مقالات سیمینار "قرآنی علوم بیسویں صدی میں" ص:۸۴۸۵)

"محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح" ایک شاہکار مضمون ہے۔دراصل جو بھی تعصبات اور تقلید محض سے بالاتر ہوکر تدبر فی القرآن کرے گا قرآن یقیناً اس کی راہنمائی کرے گا۔لیکن بدقسمتی سے ہمارا فہم قرآن محض اسلاف کی مجاوری اور تقلید شخصی بن کر رہ گیا ہے۔

لاریب کہ اسلاف کا فہم قرآن ہمارے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے لیکن اس سرمایہ کو آگے بڑھاتے رہنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی پوجا پاٹ کرنے کی یا مقدس گائے بنانے کی۔اسلاف بھی ہمارے جیسے گوشت پوشت کے ہی انسان تھے مافوق الفطرت مخلوق یا صاحب وحی نہ تھے۔اسلاف کے فہم قرآن کے رعب نے ہمیں خدا کے خوف سے بیگانہ کررکھا ہے کہ ہم خدا کی نسبت اپنے اسلاف سے زیادہ ڈرتے ہیں۔اسلاف سے اگر فہم میں کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کو تسلیم کرنا چاہیے نہ کہ اس کو بطور سند پیش کرنا چاہیے۔بہر حال آپ کا مضمون موجودہ گھٹن کی فضا میں ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند ہے۔خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔(آمین)

والسلام

آصف اقبال، راولپنڈی

0333-5322830, 051-5557083(R)

email:conversing@msn.com

محمد صادق امین

استاذ وفاقی اردو یونیورسٹی۔کراچی

محترم ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

سہ ماہی التفسیر کراچی کے جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء، جلد ۳ شمارہ ۱۱ میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد شعبہ اسلامیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر محفوظ احمد کا مضمون "آیات حجاب کے چند تفسیری پہلو" شائع ہوا ہے۔موصوف نے جس مسئلے پر "اجتہاد" فرمایا ہے وہ دراصل "قابل اجتہاد" ہی نہیں ہے۔کیونکہ ستر و حجاب کے احکام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی طرح قرآن و سنت اور اجماع سے ثابت اور طے شدہ ہیں۔اس لئے ان کا یہ اجتہاد کہ حجاب کا حکم صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے لئے تھا قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع امت کی روشنی میں قابل اعتنا ہی نہیں ہے۔

اس بحث سے قطع نظر سردست میں آپ کی توجہ ڈاکٹر محفوظ احمد کی ایک عبارت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو سراسر بہتان، علمی خیانت اور آداب رسالت کے منافی ہے۔جسے پڑھتے ہیں زبان پر یہ آیت جاری ہوجاتی ہے:

ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحنک ھذا بھتان عظیم (سورہ النور۲۴:۱۶)

اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایاں نہیں ایسی بات زبان پر لائیں (پروردگار) تو پاک ہے یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔

کوئی بھی شخص جو رسول اکرم ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اور آپ کی محبت و ادب کو جزو ایمان سمجھتا ہو اس عبارت کو پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ اس یاوہ گوئی کو انتہائی ناگواری اور صرف اصلاح احوال کی نیت سے نقل کفر کفر نہ باشد کے مصداق نقل کر رہا ہوں تا کہ آئندہ آپ ایسی تحریریں شائع کرنے سے احتراز برتیں۔ ڈاکٹر محفوظ احمد سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵۳ کا شان نزول اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اس طرح آیت حجاب کے نزول کے پس منظر میں بھی منافقین کا ایک شرمناک اور اذیت ناک کردار ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

اس آیت کے نزول سے قبل غیر مردوں کا دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا ممنوع نہیں تھا۔ اس طرح لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں عام داخل ہو جاتے۔

رسول اکرم ﷺ بھی جب کسی موقع پر دعوت کا اہتمام فرماتے تو مدعوؤں کے علاوہ بعض غیر مدعو لوگ بھی وہاں پہنچ جاتے۔ اسی طرح کی ایک دعوت ۵ ہجری میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد رسول اکرم ﷺ نے منعقد کی۔ اس دعوت ولیمہ میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کے علاوہ ازراہ تالیف منافقین کو بھی بلایا اور بعض منافقین بغیر دعوت کے بھی شریک ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ کی نفس کریمی سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ بہت دیر بیٹھے رہے اور مزید شرارت یہ کرتے کہ بعض اوقات کوئی چیز مانگنے کے بہانے ازواج مطہرات کے سامنے چلے جاتے اور کبھی چیزوں کو لینے کے دوران ان کے ہاتھوں سے مس بھی کرتے۔ ان حرکات کا مقصد حقی ہوتا۔ اگر چہ آپ ﷺ ان حرکتوں کو محسوس کرتے لیکن ازراہ مروت کچھ نہ کہتے''۔

(سہ ماہی التفسیر کراچی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء جلد ۳ شمارہ ۱۱ صفحہ نمبر ۹۰)

مندرجہ بالا عبارت میں ''کبھی چیزوں کو لینے کے دوران ان کے ہاتھوں کو مس بھی کرتے۔ ان حرکات کا مقصد حقی ہوتا۔ اگر چہ آپ ﷺ ان حرکتوں کو محسوس کرتے لیکن ازراہ مروت کچھ نہ کہتے ''صریح بہتان، آداب رسالت کے منافی اور قابل گرفت عبارت ہے۔ ڈاکٹر محفوظ احمد مذکورہ بالا

عبارت میں مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر القرآن جلد ۶ اور امام ابن جریر طبری کی جامع البیان فی تفسیر القرآن جز ۲۲ کا حوالہ دیا ہے۔

۱۔ جہاں تک مولانا امین احسن اصلاحی کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی تفسیر میں ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ ہم یہاں مولانا امین احسن اصلاحی کی متعلقہ عبارت مکمل طور پر نقل کر رہے ہیں۔ اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں:

''نبی ﷺ وقتاً فوقتاً صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی تقریب میں اپنے ہاں کھانے پر بلاتے رہتے۔ ایسے مواقع پر ان لوگوں کو بھی آپ ازراہ کریم النفسی وتالیف قلب بلاتے جو منافق تھے۔ اور اگر نہ بھی بلاتے تو بھی ان میں سے بعض ناخواندہ مہمان بن کر خود پہنچ جاتے۔ یہ لوگ حضور ﷺ کی کریم النفسی سے نہایت غلط فائدہ اٹھاتے۔ اول تو یہ لوگ دعوت کا بہانہ پا کر کھانے کے وقت سے بہت پہلے ہی ڈیرا جما کر بیٹھ جاتے، پھر کھانا کھا چکنے کے بعد کھسکنے کا نام نہ لیتے بلکہ باتوں میں لگے رہتے۔ اور مزید شرارت یہ کرتے کہ کسی چیز کے مانگنے کے بہانے دراتے ہوئے ازواج مطہرات کے سامنے چلے جاتے۔ مقصود ان ساری حرکتوں سے ان کا وہی ہوتا جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں کہ کوئی موقع ان کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اندر وسوسہ اندازی اور ریشہ دوانی کا ہاتھ آئے۔ حضور ﷺ ان لوگوں کی ان حرکتوں کو محسوس فرماتے اور اس سے آپ ﷺ کو تکلیف بھی پہنچتی لیکن آپ ﷺ لحاظ و مروت کے سبب سے نظر انداز فرماتے۔ لیکن نظر انداز کیے جانے کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ لوگ اس کریم النفسی کے سزاوار نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس باب میں نہایت واضح احکام بھی دے دیے اور یہ تنبیہ فرمادی کہ اب بھی اگر انہوں نے اپنی روش نہ بدلی تو قضائے مبرم کو دعوت دینے والے بنیں گے''۔

(تدبر القرآن، جلد ششم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، دسمبر ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۶۳)

ڈاکٹر محفوظ احمد نے مولانا امین احسن اصلاحی کی طرف ایک ایسی بات کی نسبت کی ہے جو انہوں نے کہی ہی نہیں۔ یہ صریح علمی خیانت ہے۔ میں مولانا امین احسن صلاحی کے بعض اصول و فروع سے واضح اختلاف رکھتا ہوں اور انہیں قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ انہوں نے سورہ احزاب کی آیات ۲۸ تا ۳۵ کے شان نزول کے بارے میں جمہور سے ہٹ کر الگ موقف اختیار کیا ہے۔ ازواج مطہرات کی طرف سے نفقات میں اضافے کے مطالبے کو اس کا شان نزول ماننے کے

بجائے خاندان نبوت کے خلاف منافقین کی ریشہ دوانیوں کو اس کا سبب نزول قرار دیا ہے۔

(ایضا...... صفحہ:۲۱۶)

مگر وہ حجاب کی فرضیت کے تحق سے قائل ہیں۔ بلکہ شریف خواتین کے برقع جسے جدیدیت پسند روشن خیال شٹل کاک کی پھبتی کس کر مذاق اڑاتے ہیں، کا مدلل انداز میں دفاع فرماتے ہیں۔

(ایضا...... صفحہ۲۶۹)

اسی طرح سے انہوں نے سورۂ احزاب کی تفسیر شان رسالت اور عظمت اہل بیت و ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور اسباط علیھم رضی اللہ عنھم کو جس طرح ملحوظ رکھ کر بیان کی ہے تو واقعات پڑھکر آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے اور بے ساختہ دل سے ان کے لئے یہ دعا نکلتی ہے کہ رب العلمین ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

۲۔ ڈاکٹر محفوظ احمد نے دوسرا حوالہ امام محمد ابن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن کا دیا ہے جو تفسیر طبری کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں انہوں نے رائی کا پہاڑ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور واقعہ افک میں جس طرح سے منافقین نے اتفاقیہ واقعہ کا افسانہ بنا لیا تھا (سورۃ النور ۲۴: ۱۱ تا ۲۰) اسی حرکت کے وہ بھی یہاں مرتکب ہوئے ہیں۔ امام ابن جریر طبری جمہور مفسرین کی طرح ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی دعوت ولیمہ کے بعد چند افراد کا بلا وجہ بہت دیر تک بیٹھے رہنے کو سورۃ الاحزاب کی آیات حجاب کا شان نزول قرار دیا ہے۔ اور "قیل" فرما کر چند شاذ اقوال بھی بیان فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر محفوظ احمد نے تفسیر طبری کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے ہم اسے بھی مکمل طور پر نقل کر رہے ہیں۔

امام طبری ان آیات کے شان نزول کے ضمن میں ایک ضعیف قول ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

"و قد قیل ان سبب امر اللہ النساء بالحجاب انما کان من اجل ان رجلا کان یاکل مع رسول اللہ ﷺ و عائشۃ معھما فاصابت یدھا ید الرجل فکرہ ذلک رسول اللہ ﷺ ذکر من قال ذلک: حدثنی یعقوب قال ثنا ھشیم عن لیث ان رسول اللہ ﷺ کان یطعم و معہ بعض اصحابہ فاصبت ید رجل منھم ید عائشۃ۔ فکرہ ذلک رسول اللہ ﷺ۔ فنزلت آیۃ الحجاب۔

(جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۹ء، جز ۲۲، جلد: ۱۰، صفحہ: ۲۸)

ہم اس کا خلاصہ ڈاکٹر محفوظ احمد کے الفاظ میں نقل کر دیتے ہیں:

"امام ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ ایک دعوت میں کسی مرد کا ہاتھ (گھر کی کوئی

چیز لیتے وقت) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے چھو گیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا تو پھر آیہ مقدسہ نازل ہوئی۔

(سہ ماہی التفسیر، شمارہ ۱۱، صفحہ ۶)

اول تو یہ ایک ضعیف قول ہے جیسا کہ "وقد قیل" (اور کہا گیا ہے) کے الفاظ سے واضح ہے کیونکہ عربی زبان کے اسلوب کے اعتبار سے جب مصنف یا مقرر کسی حوالے کو "قیل" کے ساتھ بیان کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ضعیف قول ہے اور اس کے نزدیک قابل ترجیح کوئی دوسرا قول ہے جیسا کہ امام طبری نے آیات حجاب کے شان نزول میں قابل ترجیح قول کو اس انداز میں بیان کیا ہے:

"واختلف اھل العلم فی السبب الذی نزلت ھذہ الآیۃ۔ فقال بعضھم نزلت بسبب قوم طعموا عند رسول اللہ ﷺ فی ولیمۃ زینب بنت جحش ثم جلسوا یتحدثون فی منزل رسول اللہ ﷺ و برسول اللہ ﷺ الی اھلہ حاجۃ فمنعہ الحیاء من امرھم بالخروج من منزلہ

(جامع البیان فی تفسیر القرآن، جز ۲۲، جلد: ۱۰، صفحہ: ۲۶)

ترجمہ: اہل علم کا اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی دعوت ولیمہ کے موقع پر کھانا کھانے کے بعد بیٹھے رہے اور آپس میں گفتگو میں مگن ہو گئے۔ حالانکہ رسول کریم ﷺ خلوت چاہتے تھے مگر حیاء کے باعث انہیں گھر سے باہر جانے کے لئے نہ فرما سکے۔

دیکھیے یہاں امام طبری نے مستند اور قابل ترجیح قول کو "فقال بعضھم" (تو بعض نے کہا) فرما کر بیان کیا ہے۔ ہمارے بعض دانشور جو قرآن کریم کی صریح نصوص، احادیث متواترہ اور اجماع امت کو اپنے موقف کے خلاف پا کر بے دھڑک رد کر دیتے ہیں تو انہیں ایسے ضعیف اور شاذ اقوال سے استناد کرتے ہوئے سوچنا چاہیے کہ وہ کس بنیاد پر اپنی تحقیق کی عمارت کھڑی کر رہے ہیں۔ امام طبری کی روایت سے جس چابکدستی سے ڈاکٹر محفوظ احمد نے استدلال کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

(الف) روایت میں صرف ایک زوجہ محترمہ کے ہاتھ سے کسی شخص کے ہاتھ کے مس ہونے کا ذکر ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے صیغہ واحد مؤنث کو جمع مؤنث بنا دیا ہے اور لکھتے ہیں:

"بعض اوقات کوئی چیز مانگنے کے بہانے ازواج مطہرات کے سامنے چلے جاتے اور کبھی چیزوں کو لینے کے دوران ان کے ہاتھوں سے مس بھی کرتے"

(سہ ماہی التفسیر، شمارہ ۱۱، صفحہ ۷۰)

(ب) دوسری بات یہ کہ امام طبری کی روایت میں اتفاقی واقعہ بیان ہوا ہے جو صرف ایک مرتبہ پیش آیا تھا۔ مگر ڈاکٹر محفوظ احمد نے اپنے تخیل کے گھوڑے دوڑا کر اسے معمول ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اور ''اصابت ید'' (ہاتھ ٹکرا گیا) کو ماضی استمراری بنا دیا ہے اور مفہوم یوں بیان کیا ہے:

''کبھی چیزوں کو لینے کے دوران ان کے ہاتھوں سے مس بھی کرتے'' (ایضاً)

ان جیسے دانشوروں سے یہی توقع کی جا سکتی ہے لیکن خدارا ذرا سوچیے! جس ہستی کے لئے ''راعنا'' جیسے ذو معنی الفاظ کی اجازت نہ ہو (سورۂ بقرہ ۲: ۱۰۴) وہاں ایسی ضعیف روایات کا سہارا لے کر شان رسالت کے خلاف باتیں کرنے کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے؟

۳. ڈاکٹر محفوظ احمد خیال آرائی اور ذہنی اختراع کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا عبد الرحمن کیلانی کی کتاب ''احکام ستر و حجاب'' کے اقتباس پر ان کی طبع آزمائی ملاحظہ ہو۔

''عبد الرحمن کیلانی نے لکھا ہے کہ ''اس حکم کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے اپنے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے''

اس عبارت میں ''دیکھا دیکھی'' کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ اس لئے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی ''دیکھا دیکھی'' کی بنیاد پر نہیں کی جاتی۔ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج اور دیگر فرائض و واجبات کی ادائیگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا دیکھی شروع نہیں کی تھی بلکہ احکام کو فرض یا واجب جانتے ہوئے شروع کیا تھا۔ دیکھا دیکھی کی بنیاد پر کیا جانے والا عمل زیادہ سے زیادہ مباح یا مستحب قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ فرض یا واجب۔ لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا حجاب سے متعلق ازواج مطہرات کے عمل کو بیان کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ عمل ان کی خصوصیات میں سے تھا۔ (ایضاً...... صفحہ ۶۹)

اس عبارت سے لفظ ''دیکھا دیکھی'' سے انہوں نے جس طرح سے استنباط فرمایا ہے وہ ان کی خیال آرائی اور ذہنی اختراع کی نمایاں مثال ہے۔ حالانکہ مولانا عبد الرحمن کیلانی نے ''دیکھا دیکھی'' اتباع کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ کیا ہم اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی نماز، روزہ اور حج وغیرہ جیسے فرائض کی پابندی نہیں کرتے؟ اس سے یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ چونکہ اپنے بڑوں کی ''دیکھا دیکھی'' ان احکام کی پابندی کرتے ہیں لہٰذا اس دیکھا دیکھی کی بنیاد پر ہماری نماز وغیرہ کی ادائیگی کو زیادہ سے زیادہ مباح یا

مستحب قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا للعجب!

اسی طرح مولانا عبد الرحمن کیلانی کی کتاب ''احکام ستر و حجاب'' کی عبارت کے اس ٹکڑے ''اس حکم کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے اپنے حجروں کے دروازے پر پردے لٹکا دیے'' (ایضاً ...... صفحہ ۶۲) پر یہ خیال آرائی فرمائی ہے:

رسول اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی اور رازداری کو قائم رکھنے کے لئے حجاب کا حکم دیا کہ اس وقت آپ ﷺ کے حجروں کے باہر کوئی دروازہ یا پردہ نہیں تھا'' (ایضاً)

یعنی آیات حجاب کے نزول سے پہلے حضور اکرم ﷺ کے حجروں کے باہر نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ پردہ۔ یہ تو درست ہے کہ آیات حجاب کے نزول کے بعد حجروں کے دروازوں کے باہر اہتمام سے پردے لٹکا دیے گئے۔ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حجروں کے دروازے ہی نہ تھے۔ حالانکہ خود آگے چل کر علامہ نور بخش کی سیرت رسول عربی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:

''دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا'' (ایضاً)

یقیناً حضور اکرم ﷺ کے حجرات سادگی اور فقر کا نمونہ تھے اور اس میں آبنوس یا شیشم کے دروازے لگے ہوئے نہیں تھے۔ مگر ضرورت کے تحت کواڑ ضرور تھے جنہیں آمد و رفت کے وقت بھیڑ دیا جاتا تھا۔ اور آیات حجاب کے نزول کے بعد ان پر پردے بھی لٹکا دیے گئے تاکہ حجاب کا مکمل اہتمام ہو۔

۴. تحقیق دراصل تمام دستیاب مواد و وسائل کا احاطہ کر کے نتیجہ اخذ کرنے کا نام ہے۔ مگر ڈاکٹر محفوظ احمد شاید چراغ تلے اندھیرے کے قائل ہیں۔ ان کا موضوع ''آیات حجاب کے چند تفسیری پہلو'' ہے لیکن چونکہ انہوں نے پہلے سے ذہن بنایا ہوا ہے کہ وہ حجاب کو صرف ازواج مطہرات سے خاص کر کے عام مسلمان خواتین کے لئے اس کا عدم وجوب ثابت کریں گے۔ اس لئے انہوں نے حجاب کے موضوع پر اپنی تحقیق کا محور صرف سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۳ کو بنایا ہے۔ حالانکہ ابتدا میں انہوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ:

''قرآن مجید میں عورتوں سے متعلق ستر یا پردہ کے احکام سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۳، ۵۹ اور سورۃ النور کی آیت نمبر ۳۰، ۳۱ میں بیان کئے گئے ہیں'' (ایضاً... صفحہ نمبر ۵۸)

اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۹ کو یہ کہہ کر موضوع کے دائرے سے خارج کر دیا ہے کہ:

''بعض لوگ سورۃ الاحزاب کی آیت جلباب (یعنی آیت نمبر ۵۹) کو اس حکم حجاب کا متبادل

قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں اس آیت کو ازواج مطہرات کے لئے خاص تسلیم کرنا ہوگا اور ان کے لئے حجاب کے لئے دلیل آیت جلباب ہوگی۔ کیا آیت جلباب سے حجاب کا حکم ثابت ہوتا ہے یہ الگ بحث ہے اس حوالے سے اس کا ذکر آیت جلباب کے تفسیری پہلوؤں سے کیا جائے گا'' (ایضاً صفحہ ۶۷)

ڈاکٹر محفوظ احمد نے آیت نمبر ۵۹ کا سرسری انداز میں تذکرہ کر کے اسے نقل کرنے سے بھی گریز کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے نقل کر دیتے تو ان کی تحقیق کی خستہ عمارت زمیں بوس ہو جاتی۔ اور ایک عام ان پڑھ اور سادہ مسلمان بھی محض اس کا ترجمہ سن کر یہی مفہوم اخذ کرتا کہ حجاب کی فرضیت صرف ازواج مطہرات کے لئے نہیں بلکہ تمام مسلمان خواتین کے لئے ہے۔ یہ وہی طرز عمل ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وان فریقا منهم لیکتمون الحق و هم یعلمون (سورۃ البقرۃ ۲:۱۴۶)

ترجمہ: اور ایک فریق ان میں سے حق کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت و الهدی من بعد ما بینه للناس فی الکتب ۷

اولئک یلعنهم الله و یلعنهم اللعنون (سورۃ البقرۃ ۲:۱۵۹)

ترجمہ: جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اپنی کتاب سے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر خدا اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

ہم سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۹ پیش کر رہے ہیں جسے ڈاکٹر محفوظ احمد نے نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور تمام مسلمان عورتوں کے لئے حجاب کی فرضیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

یایها النبی قل لازواجک و بنتک و نساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن ط

ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین ط و کان الله غفورا رحیما

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے چہروں پر چادر لٹکا کر (گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر ان کے لئے موجب شناخت (و امتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

کیا اس صریح آیت کے ہوتے ہوئے بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حجاب یا پردہ صرف ازواج مطہرات کے لئے تھا اور حجاب نہ کرنے والی خواتین تارک واجب نہ ہوں گی؟

۵۔ مجھے احساس ہے کہ میرا خط طویل تر ہوتا جا رہا ہے مگر ڈاکٹر محفوظ احمد کے اس نتیجہ تحقیق پر کہ: ''حجاب نہ کرنے والی خواتین نہ تو تارک واجب ہوں گی اور نہ ہی انہیں فاحشہ کہا جائے گا'' (التفسیر، شمارہ ۱۱، ص: ۷۷) مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے الفاظ میں تبصرہ نقل کرنا برمحل معلوم ہوتا ہے۔ آپ '' ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین '' کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

اس ٹکڑے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اول تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو احکام کالعدم ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ خراب ہیں البتہ حیا اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔

(تدبر القرآن، جلد ششم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۳، صفحہ نمبر ۲۷۰)

پردے کی حکمت بیان کرتے ہوئے روشن خیال جدیدیت پسندوں کا ابطال اس طرح فرماتے ہیں:

''انسان کا دل جس نے بنایا ہے وہ اس کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کن کن گلی راستوں سے دل برے اثرات قبول کرتا ہے۔ اور دل ہی وہ چیز ہے جس پر انسان کی تمام اخلاقی صحت کا انحصار ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ جن کو اپنے دل کی صحت مطلوب ہو وہ اس کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھیں جو اس کو غبار آلود کر سکتی ہیں۔ اس زمانے کے مدعیان تہذیب اپنے کپڑوں کی صفائی کا تو بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ مجال نہیں ہے کہ ان پر ایک چھینٹ یا ایک دھبہ بھی پڑنے دیں لیکن ان کے دل جس گندگی سے لت پت رہیں ان کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاقی و روحانی صحت کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ حالانکہ اصلی اہمیت رکھنے والی چیز یہی ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۶۲)

آخر میں پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج، مدیر اعلیٰ سہ ماہی التفسیر کی خدمت میں چند گزارشات پیش ہیں: